کِشتِ زربار

Means

(A land that bears gold)

Scroll Down to navigate

پروفیسر احمد رفیق اختر

فہرست

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ نمبر
-1	پیش لفظ	5
-2	خطبہ اول	
	ترجیح اولیٰ	7
-3	خطبہ دوم	
	علم اور اللہ	37
-4	خطبہ سوم	
	خدا اور کائنات	51
-5	خطبہ چہارم	
	حضرت محمد رسول اللہ ﷺ	74
-6	خطبہ پنجم	
	نظریہ جمال پروردگار	92
-7	خطبہ ششم	
	اسلام اور عصر حاضر	115

خطبہ اول

ترجیح اولیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

رب ادخلنی مدخل صدق و اخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنك سلطنا نصیرا ○ (۸۰:۱۷)

مذہبی فکر اپنی منزل سے کس طرح ہٹی اور اس میں فکری و عملی لحاظ سے کس طرح انحطاط آیا' میں اسے ایک ایسے وقت سے شروع کر رہا ہوں جب سلطان سلیمان ذیشان کی افواج یورپ کے دروازوں پر دستک دے رہی تھیں۔ یوگوسلاویہ' البانیہ اور بوسنیا ترک شہسواروں کی تگ و تاز کی زد میں تھے۔ اتنا بڑا بادشاہ کہ تاریخ میں آج بھی اسے سلطان سلیمان ذیشان (The Magnificient) کے نام سے جانا جاتا ہے اور ادھر ایک ایشیا کوچک میں نہیں' وہ یورپ کے دروازوں پر بھی دستک دے رہے تھے۔ مزید یہ کہ اس زمانے میں پندرہویں اور سولہویں صدی میں دوسری طرف بھی اگر دنیا میں کسی شہنشاہ کا سکہ چلتا تھا تو وہ مسلمان ہی تھے۔ سلطان عباس صفوی جسے عباس اعظم بھی کہا جاتا تھا' ہندوستان میں جلال الدین محمد اکبر جسے اکبر اعظم کہا جاتا تھا ایک ایسے زمانے میں جبکہ قوت و شوکت اور سطوت اسلامیہ اپنے انتہا درجے پر تھی کہ دنیا میں اگر تین بڑے بادشاہ تھے تو تینوں مسلمان تھے۔ عین اس وقت پورے یورپ پر ایک ایسا زمانہ تھا جسے متفق علیہ دور تاریک (Dark Age) کہتے تھے۔ بحیرۂ روم (Mediteranean) کو ترکوں نے بند کیا ہوا تھا۔ دنیا میں ترقی اور کاروبار کا واحد راستہ بحیرۂ روم تھا جو امیر خیر الدین باربروسا کی زد میں تھا۔ اس کی دہشت کا یہ عالم تھا کہ جب اس وقت یورپ کی مائیں اپنے بچوں کو ڈراتی تھیں تو وہ کہتی تھیں:

"Hush the Turks are coming!"

"کہ بچو' خاموش ہو جاؤ ورنہ ترک آجائیں گے۔"

جب سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا تو ایک بہت بڑی تبدیلی (Shift) وقوع پذیر ہوئی۔ مذہبی فکر میں بنیادی انحطاط کا آغاز فتح سے ہی ہوا۔ جب فتح و نصرت کے علم بلند ہوئے اور مسلمانوں نے بہت زیادہ معاشرتی' اخلاقی اور عملی عروج حاصل کیا تو انہوں نے مملکت اسلامیہ کو بہت دور تک پہنچادیا۔ اس فتح کے ساتھ ہی مسلمانوں پر تکبرات کی دبیز تہہ کی چادر چھا گئی اور وہ قومی رویوں میں غیر محتاط (Careless) ہو گئے۔ اگرچہ فتح بڑی اچھی چیز ہے' مگر فتح کا سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ انسان اس کی پائیداری کے احساس میں اس کے تحفظ کے سلسلے میں Relax ہو جاتا ہے اور تفاخرات میں ڈوب جاتا ہے۔ یہی المیہ ہندوستان میں ہوا' اسی طرح ایران اور سلطنت عثمانیہ اس المیے سے گزرے۔

قطعی طور پر مسلمانوں کے انحطاط کا آغاز سلطنت عثمانیہ کے زوال سے شروع ہوا' مگر یہ زوال ہتھیاروں سے نہیں ہوا۔ فتح قسطنطنیہ کے وقت اہل یورپ کا یہ حال تھا کہ جب کسی کے سر میں درد ہوتا تو وہ کسی پادری کے پاس جاتا اور پادری اسے بتاتا کہ اس کے سر میں شیطان گھس گیا ہے۔ اور پھر اس شیطانی دخل اندازی کا واحد علاج یہ ہوتا تھا کہ اس کے سر پر بڑے بڑے ڈنڈے مارے جاتے اور اس طرح مرض کا باعث شیطان مریض کے ساتھ ہی مر جاتا اور سر درد رہنے کی گنجائش بھی ختم ہو جاتی۔ اس وقت عیسائیت کی تبلیغ کرنے والے پادری عوام میں سند نجات (Certificate of Redemption) بھی تقسیم کیا کرتے تھے اور لوگوں کو کہا جاتا تھا کہ اگر تم نے جنت میں جانا ہے تو پانچ پاؤنڈ اور اگر درجات جنت میں بلندی چاہیے تو دس پاؤنڈ اور اگر اعلیٰ ترین جنت میں جانا ہے تو بیس پاؤنڈ ادا کریں۔ اس نوعیت کے سرٹیفکیٹ پادری جاری کرتے تھے۔ اس کے بالمقابل آج اس جدید زمانے میں بھی پاکستان میں ایک مولوی صاحب نے اپنے ایک شاگرد سے کہا کہ اگر آپ کھل کر فلاں جماعت کو چندہ دیں تو آپ جنت میں داخل ہو جائیں گے تو وہ برخوردار اسی طرح پریشان حال مجھ تک آگیا۔ اس نے کہا پروفیسر صاحب یہ بات میں نے سنی ہے کیا یہ سچ ہو سکتا ہے؟ میں نے اسے کہا کہ کاغذ اور پنسل لے جاؤ اور اس مولوی صاحب سے کہو کہ آپ جنت کی تصدیق لکھ دیں' مگر اس مولوی صاحب سے یہ نہ ہو سکا!

احساس فتح کا ایک ناقص ترین نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں میں علم کی طلب' ذوق' تحقیق اور علم کی جستجو ختم ہو گئی۔ یہ ایک عمومی اطمینان (General Satisfaction) کی

کیفیت تھی جو عالم اسلام پر چھا گئی۔ جہاں ابن سینا' حجتہ الاسلام امام محمد بن احمد الغزالی اور ابن رشد جیسے محقق پیدا ہوتے تھے وہاں اب علم و تعلیم اتنے خسارے میں چلی گئی کہ ایک طویل عرصے تک عالم اسلام میں فلسفہ 'علم' سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ہمیں کوئی نمایاں فرد نظر نہیں آتا۔ یہ ایک بہت بڑی بد قسمتی تھی کہ فتح نے ایک General Mental Shift پیدا کر دی۔ تفاخرات میں ڈوب کر ملت اسلامیہ اس بنیادی عنصر فتح سے محروم ہو گئی ہے ہم علم و جستجو کہتے ہیں۔ قوموں کا عروج وزوال تحصیل علم اور تحقیق و جستجو سے مرتب ہوتے ہیں۔ جب عالم اسلام سے علم رخصت ہونا شروع ہوا تو علم یہاں سے Transfer بھی ہونے لگا۔ عین اس وقت علم کی رو فارابی وابن رشد یعنی کارڈووا سے لندن یونیورسٹی تک آگئی۔ کیمبرج اور آکسفورڈ تک آگئی۔ یورپ میں نئی تخلیقات نے جنم لیا جنہیں ہم Renaissance اور Reformation کہتے ہیں۔ تحریک احیائے مذہب اور تحریک احیائے علوم شروع ہوئی' یعنی ہم نے علم کو کھونا اور مغرب نے علم حاصل کرنا شروع کر دیا۔ تحریک احیائے علوم کے بڑے بڑے سکالرز نے جو کچھ بھی پیش کیا وہ مسلمانوں سے ہی لیا ہوا تھا۔ آج بھی ماڈرن سائیکالوجی کے بانی کی کتابیں پڑھیں تو یہ حیرت انگیز انکشاف ہوتا ہے کہ اس نے غزالی کی کتابیں اپنے نام سے شائل کر دی ہیں۔ ڈیکارٹ (Descartes 1596-1650) نے اپنی کتب میں یہ سب کچھ یہ سوچے بغیر شائل کر دیا کہ کسی اور کے کام کو میں اپنے نام کے ساتھ منسوب کر رہا ہوں۔ اس طرح اس دور زوال کا آغاز ہوا اور رفتہ رفتہ ملت اسلامیہ زوال پذیر ہوتی گئی' مگر ان کی علمی جرأتوں اور افکار کی تازگی نے اہل مغرب کو ترقی کی طرف گامزن کرنا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں سے ان کی عسکری' سیاسی اور علمی و تحقیقی حاکمیت چھن گئی۔ یورپ کی آگاہی نے اسے تینوں سے آگے بڑھاتے ہوئے مسلمانوں کو پس پشت ڈال دیا اور جہاں جہاں بھی متقابل صورت حال پیش آئی۔ سیاسی' ادبی یا فلسفیانہ تحقیق میں مسلمان مغربی تحقیقات کا جواب دینے کی پوزیشن میں نہ تھے اور اس کی واحد وجہ یہ تھی کہ اس دوران کوئی بڑا Mystic ٹیچر پیدا نہیں ہوا۔ اسلام میں Survival کی بڑی صورت جو رہی یہ تھی کہ اسلام میں بڑی خطرناک صورت حال پیش آئی تو کوئی بڑا صوفی استاد آیا اور اس نے موجودہ صورت حال کو Revision دیا' اس طرح از سر نو پورے اسلام کی ہی سادگی اور عظمت برقرار رہی۔ اس نے امت مسلمہ پر اپنے ذہنی اور اخلاقی اثرات

چھوڑے۔ جب سپین میں مسلمانوں کی حکومت تباہی کے کنارے پہنچ گئی تو غزالی کے شاگرد الیعقوب المومن نے المواحدین کی تحریک کا آغاز کیا اور دو سو سال کے لیے سپین میں پھر اسلام قائم ہو گیا۔ المواحدین کے بعد المرابطین جو یوسف بن تاشفین کی تحریک تھی ان دونوں نے اس علمی Source سے حیات پا کر اس عالم زمانہ کی ہمیت کا شرف حاصل کر لیا اور ایک نئی تازگی مذہبی ماحول نے بخشی۔ اور وہ اس قابل بنے کہ اسلام کو شکست کے بحران سے نکال لیں۔ جب بغداد میں خلفاء مکمل تباہی اور مکمل اضمحلال کا شکار ہو گئے تو قدرت نے بغداد ہی سے شیخ عبدالقادر جیلانی کو پیدا کیا۔ اور ان کی وجہ سے انحطاط زمانہ رکا۔ جب مسلمان اپنی حقیقی روح مذہب کی طرف واپس لوٹے تو انہوں نے اس زوال کو دو سو سال تک تھامے رکھا۔ ہندوستان میں سلطان آف الغزنہ جہاں فتوحات کی ایک بارات لے کر آیا وہاں وہ علم کی بھی ایک سوغات لے کر آیا اور یہ سیدنا علی بن عثمان ہجویری تھے جن کے وجود مسعود نے علم معرفت کی ایک ایسی شمع روشن کی جسے بعد میں چشتیہ اصحاب نے اٹھایا۔ محبتوں سے 'اخلاق سے 'نرمی سے اور مروت و حسن عالم گیر سے اور اس وقت سے لے کر ایک طویل سلسلہ اللہ کی دین کی طرف عامتہ الناس کے رجوع کا شروع ہوا۔ خواجہ معین الدین چشتی ہوں یا خواجہ فرید الدین گنج شکر 'خواجہ بختیار الدین ہوں یا خواجہ چراغ دہلوی 'ان لوگوں نے محبت کے ایسے سوتے جاری رکھے کہ اہل کفر اور اہل شرک خدا کی واحد نیت کی طرف مائل ہوئے' تاہم بھگتی تحریک نے اس پر بند باندھنے کی کوشش کی۔ دنیا میں جہاں جہاں بھی اسلام پہنچا اور جہاں جہاں بھی یہ اللہ کے بندے پہنچے یہ خالی عالم دین نہ تھے بلکہ ان کے ساتھ ان کی مذہبی جہتوں کے ساتھ ان کے اخلاقی رتبے چلتے تھے۔ ان کی اعلیٰ ترین ذہنی صلاحیت تھی۔ یہ پورے مذہب کو بار بار اس مرکزی نقطے پر لاتے رہے جو ہمارا مرکز بحث ہے۔ تمام Mystics کا ایک رویہ رہا۔ ادھر انحطاط ملت اسلامیہ میں ان کا ایک رول رہا کہ عالموں کی طرح انہوں نے صرف اعمال کی Shift پر ہی زور نہیں دیا بلکہ اعمال کی نیات درست کرنے کے لیے ایک ذہنی جدوجہد کی 'کیونکہ نیت کے بغیر عمل صرف قول و فعل ہے اور قول و فعل کی ہم آہنگی بھی منافقانہ ہو سکتی ہے۔

تصوف میں 'Mystic میں 'مومن 'عدل میں 'متقی میں اور اللہ کے نیک بندوں میں اور عام علماء میں صرف ایک فرق تھا کہ جہاں اچھے عالم قول و فکر کے تضاد کو ختم کرنے پر

زور دیتے تھے اہل خدا قول و فکر اور فعل تینوں کے تضاد کو ختم کرنے پر زور دیتے تھے۔ یہ ایک حتمی تعلیم تھی جو صوفیا نے ان مومنین کے گروہ نے دی کہ تمام افعال مذہب کی بجائے خدا کے لیے ہونے چاہئیں۔ رستے میں گم ہونے کی بجائے منزل کی طرف بڑھنا چاہیے۔ مذہب چلنے کا راستہ ہے اور منزل صرف اللہ ہے۔

شعلہ درگیر زد بر خس و خاشاک من!
مرشد رومی کہ گفت "منزل ما کبریا است"

(اقبالؒ)

اور جب آپ اپنی حتمی منزل کو پہلے متعین نہیں کریں گے بہت بڑی غلطی کا پوری امت شکار رہے گی اور یہ غلطی ہے اختلاط ترجیحات (Confusion of Priorities) کی۔ جب تک ہم اس بنیادی سوال کو حل نہیں کرتے کہ ہماری ایمان و اسلام میں ترجیح اول کیا ہے' اس وقت تک ہمیں خدا نہیں مل سکتا۔ چاہے ساری عمر طلب خداوندی میں گزار دی جائے مگر پروردگار کسی بھی صورت میں "ترجیح اول" سے نیچے اترنے کو تیار نہیں ہے۔ یہ ایک سنت اللہ ہے اور اس پر کوئی Compromise نہیں ہے۔ وہ ایک اعلیٰ ترین اور مکمل Priority ہے۔ وہ تخلیقات کے نیچے اپنے مقام سے گریزاں ہے' جس دن کوئی مسلمان اسے ذہناً ترجیح اول قرار دیتا ہے تو خدا اس کی ہمسائیگی میں اترتا ہے۔ وہ کبھی بندے سے دور نہیں ہوتا' مگر کیا عجیب بات ہے کہ جس مذہب کے چرچے ہم صبح و شام کرتے ہیں' جس مذہب کے قصیدے صبح و شام اخباروں میں رسائل میں کتابوں میں پڑھتے ہیں' جس کو ہم خدا کا دین کہتے ہیں جس کو ہم خدا کا واحد Valid مذہب قرار دیتے ہیں' کتنی بد قسمتی ایک یہ کہ یہ تمام مذہب مل کر ہمیں ایک خدا شناس نہیں دے رہا۔ یہ ہمارا اجتماعی المیہ ہے۔ شاید ہم سے کہیں Approach میں غلطی ہو گئی ہے۔ اگر تمام مذہب اسلام مل کر بھی ہمیں ایک خدا شناس نہیں دے رہا' ایک عبدالقادر جیلانی نہیں بخش رہا' ایک علی بن عثمان ہجویری نہیں بخش رہا تو دور حاضر میں ضرور کوئی غلطی ہو چکی ہے۔ کیوں ہم اپنی صحت خیال کو Ultimate سمجھ رہے ہیں۔ ہم اس پر کیوں نہیں سوچتے کہ کیا وجہ ہے کہ ہمیں خدا نہیں مل رہا۔ وہ خدا جو کہتا ہے کہ وہ ہماری رگ جاں سے بھی زیادہ قریب ہے۔

ونحن اقرب الیه من حبل الورید (۵۰:۱۶)

ترجمہ اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔

وہ لوگ کون ہیں جنہیں پروردگار رگ جان سے بھی زیادہ قریب محسوس ہوتا ہے۔ رکاوٹ کیا ہے؟

پروردگار نے فرمایا:

زین للناس حب الشهوات من النساء و البنین و القناطیر المقنطرة من الذهب والفضةوالخیل المسومةوالانعام والحرث' ذلك متاع الحیوة الدنیا والله عنده حسن المآب ○ (۱۴:۳)

ترجمہ: لوگوں کے لیے عورتوں' بیٹوں' سونے چاندی کے ڈھیروں نشان کیے گئے گھوڑوں' مویشیوں اور کھیتوں کی محبت خوشنما بنادی گئی ہے۔ یہ تو دنیا کا (عارضی) نفع ہے اور اللہ ہی کے پاس اعلیٰ اور اچھی تر منزل ہے۔"

یعنی عورتیں' بیویاں' بچے' گاڑیاں' گھوڑے منصب یہ سارے کے سارے اللہ نے حضرت انسان کے خیالات کو ان شہوات سے زینت دینے کا سبب بنادیئے کہ تلاش حق میں اس کی خالصیت سامنے آسکے۔ اگر اس نے اللہ پر اس کی مخلوق کو ہی ترجیح دینی ہے تو اللہ ان کو نہیں مل سکتا۔ اگر انہوں نے اپنی بہترین صلاحیت عقل اور وقت مخلوق کو دینا ہے تو خالق تک رسائی ناممکن ہے۔ آج سے 70 سال قبل علامہ اقبال نے ایک بہت بڑے مسئلہ کی نشاندہی کی۔ جب یورپ اپنی جدید ترین ٹیکنالوجی کے ساتھ ہمارے سامنے آیا تو مسلمانوں میں دو Attitudes پیدا ہوئے۔ وہ دونوں مسلمانوں کے لیے صحت مند نہ تھے۔ ایک تقلید مغرب کا اور دوسرا تردید مغرب کا جنہوں نے مغرب کی تردید کی۔ انہوں نے علم کی شناخت کو بھی قبول کرنے سے انکار کردیا اور یہ بالکل نہ سوچا کہ آج یورپ جس سوغات علم پر قائم ہے' وہ ہمارے آباؤاجداد کا ہی ورثہ ہے۔ وہ اس حدیث کو بھول گئے کہ حکمت مومن کی میراث ہے' جہاں سے اس کا ذرہ ملے اٹھالو۔ انہوں نے بنیاد پرستانہ رویہ (Fundamentalist Attitude) اختیار کیا' جس کا مطلب ہے علم' اور علمی تحقیق کو قبول نہ کرنا اور غور وخوض کی روش کو ترک کردینا' یہ رویہ دراصل یورپ سے شروع ہوا' سپین کی انکوزیشن سے شروع ہوا جب وہاں مذہبی پابندیوں کا نفاذ ہوا اور ازابیلا کی حکومت کے بعد جب مسلمانوں کو سپین سے ملک بدر کرنا تھا تو Inquisition بیٹھی اور اس نے صرف دو Choices دیئے:

Christianity or Expatriation

یا تو عیسائیت قبول کرو یا ملک چھوڑ دو۔ یہ فیصلہ اس وقت دیا گیا جب ایک متجسس فکری روح گلیلیو نے کائنات پر غور کرتے ہوئے کوپرنیکس کی مخالفت میں ایک اصول کائنات دریافت کیا اور اس فیصلہ کے خوف سے اس نے معافی نامہ پر دستخط کر دیئے کہ میں اپنے خیالات سے باز آیا۔ اگرچہ علمی طور پر وہ صحیح تھا۔ ہم جدید Cosmology کا بانی گلیلیو کو قرار دیتے ہیں۔ یعنی بنیاد پرستانہ رویہ مغرب سے ہوا' مگر آج یہ عالم اسلام میں جاری وساری ہے۔ جب پہلی مرتبہ لاؤڈ سپیکر آیا تو علماء اسلام نے اس پر شیطان ہونے کا فتویٰ دے دیا۔ جب علماء دیوبند سے آلہ مکبر صوت کے جواز سے متعلق فتویٰ طلب کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ یہ ناجائز ہے اور ثبوت کے طور پر قرآن حکیم کی آیت quote کی گئی کہ جب حضور گرامی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی تعریف کر رہے تھے' تو بیچ میں لات و منات کے الفاظ آئے تو اہل کفر نے کہا آج ہمارا محمدؐ سے جھگڑا ختم ہو گیا۔ آج تو وہ بھی لات و منات کی بات کر رہے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا صدمہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر قرآن حکیم کی یہ آیت اتاری کہ اے پیغمبرؐ! تم سے پہلے پیغمبروں سے بھی یہ المیہ ہوا کہ جب وہ کچھ بولتے تھے تو شیطان اس میں کچھ ملا دیتا تھا۔ تو اس آیت کو بنیاد بنا کر فتویٰ جاری کر دیا گیا کہ چونکہ لاؤڈ سپیکر ایک جگہ ہوتا ہے اور آواز دوسری جگہ آتی ہے تو بیچ میں شیطان آکر کچھ ملا دیتا ہے۔

ایک چیز ہوتی ہے جسے Cult کہتے ہیں۔ بت پرستی کہتے ہیں۔ بت پرستی جسمانی طور پر کم ہوتی ہے اور ذہنی طور پر زیادہ عقل جہاں رکتی ہے۔ ایک بت پیدا ہو جاتا ہے۔ چاہے وہ تعصّبات کا بت ہو چاہے وہ محبت کا بت ہو' عقل جہاں آئے گی وہاں ایک Cult ایک مندر سا بن جاتا ہے اور انسان اپنی صحت خیال کا اس قدر قائل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی نرگسیت (Narcissism) میں' لذت وجود خیال میں ڈوب کر اپنے آپ کو مکمل سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جن کے نزدیک ایک عقل کا بنیادی وظیفہ خدا تک پہنچنا ہے۔ علم و حکمت کی بنیادی اساس قرب خداوند کو سمجھنا ہے جو اپنے شوق کی منزل پروردگار عالم کو قرار دیتا ہے اور جو اس علیم و حکیم رب کی قربت کی سعی کے لیے دن رات سراپا عمل رہتا ہے۔ یہ اہل تصوف کا قاعدہ ہے۔

جب زمانے میں بہت بڑا بحران پیدا ہوا۔ Scepticism کے تحت بہت بڑے شکوک و شبہات پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ یونانی فلسفہ نے ہماری مبادیات کی دھجیاں اڑا

دیں۔ اس وقت بھی Fundamentalism کے حامی علماء جواب دینے کے قابل نہیں تھے۔ تحقیق و جستجو کے میدان میں اس وقت بھی ایک ایسا گروہ اٹھا' جس نے اعلیٰ ترین تحصیل علم کی' گریک فلاسفی اور رومن افکار بھی سیکھے۔ انہوں نے غور و فکر سے علوم اسلامیہ کو نئی جہت بخشی اور ہر زمانے میں خدا کے وجود پر حجت و دلیل کو قائم کیا۔ خود پروردگار نے فرمایا:

لیهلك من هلك عن بینة ویحی من حی عن بینة (۸:۴۲)

ترجمہ: تاکہ جو بھی ہلاک ہو وہ دلیل سے ہلاک ہو اور جو بھی زندہ رہے وہ دلیل سے زندہ رہے۔

کیسی عجب بات ہے کہ خدا یہ کہہ رہا ہے کہ جو ہلاک ہوا وہ دلیل سے ہلاک ہوا اور جو زندہ ہوا وہ بھی دلیل سے زندہ ہوا اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اندھا اعتقاد ہی سب کچھ ہے۔ اگر ہم جستجوئے پروردگار کی راہ میں اپنے اخلاص کو جذباتی تعلق کے بغیر اور غور و فکر و تجسس کے ساتھ دیکھیں تو ہم اسے اتنی اہمیت بھی نہیں دیتے جتنی ایف اے' بی اے کے امتحان کو دیتے ہیں۔ ہم نے بغیر غور و فکر کے ایک سوغات سنبھالی ہوئی ہے' جو پچھلی نسلوں سے چلی آ رہی ہے۔ خدا اہل کفر کو ایک طعنہ دیتا ہے کہ تم اگر اپنے آباؤ اجداد کے دین پر قائم نہ ہوتے اور تھوڑا سا غور و فکر کرتے تو مجھے ضرور پہچان لیتے۔ کیا یہی بات ہمارے اوپر صادق نہیں آتی؟ آپ اللہ کو بے انصاف سمجھتے ہیں کہ جو طعنہ کافر کو دیتا ہے آپ کو نہ دے گا؟ تم جو اندھا دھند پیچھے سے آئی ہوئی بات کو قبول کر کے اندھے اعتقاد کو زندگی کی معراج بنا بیٹھے ہو' کیا یہ خدا کے ساتھ انصاف ہے؟ اس نے تو عقل و شعور کا صرف ایک مقصد بتایا ہے۔ عقل شعور کا اساس مقصد اپنے ذاتی مسائل کا حل' حکومتیں چلانا یا دوسرے دنیاوی کاروباری نہیں بلکہ یہ کہ تمہیں عقل و شعور عطا کر دیئے گئے ہیں اب چاہو تو مجھے مانو چاہو تو نہ مانو:

وقل الحق من ربکم فمن شاء فلیومن ومن شاء فلیکفر (۱۸:۲۹)

ترجمہ: اور کہہ دیجئے کہ جو اللہ کی طرف سے ہے جو چاہے وہ ایمان لائے اور جو چاہے انکار کرے۔

یہ عقل و شعور تو معاملات زندگی میں ہمیں پرکھ کے آلے (Instruments of Judgement) کے طور پر عطا کیا گیا تھا۔ یوم میثاق جب سوال کیا گیا تو ہمارا جواب بھی

اسی حقیقت کا غماز تھا:

الست بربکم' قالو ابلیٰ شھدنا (۷:۱۷۲)

ترجمہ: (جب اللہ نے سوال کیا) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے کہا کیوں نہیں ہم نے اس کی گواہی دی۔

یعنی جانتے پہچانتے تو انکار کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ جلوہ یزداں سامنے تھا۔ کسی نے سید ہجویر سے پوچھا کہ خدا ظاہر کیوں نہیں ہو گیا؟ کہ ایمان اور بے ایمانی کا مسئلہ ہی ختم ہو جاتا۔ تو جناب شیخ نے فرمایا اگر خدا ظاہر ہو جاتا تو خدا کا اقرار اور ایمان جبر ہو جاتا' مگر ایمان جبر نہیں ہے۔ تمام عقل و شعور کی عطائیگی کا واحد مقصد اس ترجیح اولیٰ کی پہچان اور اس کا صحیح یقین ہے۔ جب خدا مسلمان کی ترجیح اولیٰ (Top Priority) نہ رہا تو انحطاط کا آغاز ہوا' کیونکہ حصول پروردگار کی کوئی خواہش امت مسلمہ میں نہیں رہی یا وہ سکالرز جنہیں ہم صوفیاء کہتے ہیں وہ علماء جو جنید بغداد کی صورت میں تھے' علی بن عثمان ہجویری کی صورت میں تھے' ان کے کمال علمی کا یہ عالم ہے کہ انسان کی تفہیم (Understanding) میں انہوں نے جو جو بات کہی آج تک یورپ کا کوئی سائیکالوجسٹ یا فلاسفر یا فارڈین سکول کا کوئی مدبر اس تک پہنچ نہیں سکا جس کو علم نفس کے باب میں صوفیاء (Mystics) واضح کر گئے۔

مگر تصوف کے ساتھ بھی بڑی زیادتی ہوئی۔ کسی نے کہا کہ گریک فلاسفی کا اثر ہے۔ کسی نے کہا کہ یہ خانقاہی نظام ہے۔ کسی نے کہا کہ یہ انسان کے ذہن کی اسیری ہے۔ کسی نے کہا کہ گئے گزرے ادوار کا بقیہ ہے' حالانکہ دراصل طریقت شریعت کی نیت ہے' جس میں تمام شرعی اعمال بغیر نیت حصول خداوند کے کیے جائیں وہ شرع ہے' جب اعمال رضا و محبت خداوند کے لیے کیے جائیں تو وہ طریقت ہے۔ اس لیے جب امام بخاریؒ نے احادیث کو مرتب کیا' اس کے پس منظر کو بیان کیا تو ساتھ ایک بات ابتدائیہ میں کہی کہ میں باب ایمان میں سب سے پہلے حدیث نیت (انما الاعمال بالنیات) کو لایا ہوں' کیونکہ تمام اعمال فلاسفی آف ایکٹ کے بغیر بے کار محض ہیں کہ جب تک آپ کا موقف واضح نہیں عمل کی حیثیت غیر متعین رہے گی۔

یہ وہ وقت ہے کہ یورپ کے چڑھتے ہوئے فشار علمی کی وجہ سے' ابلاغ کی وجہ سے' اور اتنی زیادہ مسحور کن ایجادات کی وجہ سے آج مذہبی موضوع پر اور حصول رضائے

خداوند کے موضوع پر گفتگو کتنی مشکل ہو چکی ہے۔ بقول اکبر:

رقیبوں نے یہ رپٹ جا کر لکھوائی تھانے میں
اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں!

آج فائیو سٹار ہوٹلز کے کلچر میں خدا کی بات کرنا عجیب لگتا ہے! کیونکہ ہمارے علمی انحطاط کا یہ عالم ہے کہ خدا کا ماحول جدید ماحول سے جدا ہے اور ہمارا تصور خدا دور وسطیٰ سے آگے نکلا ہی نہیں ہے۔ قرآن کی تفسیر اور قرآن کا ابلاغ دور وسطیٰ سے آگے نہیں آیا۔ کوئی تفسیر اٹھا کر دیکھ لیں رازی ہو یا ابن کثیر یا دیگر مفسرین یہی حقیقت ہر جگہ نظر آئے گا۔ میں جدید مفکرین کی بات نہیں کر رہا جبکہ علمی استدلالات بعض اوقات اتنے ناقص ہوتے ہیں کہ وہ خدا اور رسول ﷺ پر جو رائے دیتے ہیں وہ ان کی اپنی احمقانہ سند بن جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک حدیث کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ حضور گرامی مرتبت ﷺ نے فرمایا اے ابوذر! کیا تمہیں پتہ ہے کہ سورج کہاں جاتا ہے؟ فرمایا' اللہ اور اس کے رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ ارشاد ہوا سورج عالم بالا پر عرش بریں پر جاتا ہے پھر اسے کہا جاتا ہے تو لوٹ جا' تو پھر یہ پلٹتا ہے۔ پھر ایک دن اسے کہا جائے گا کہ تم نے پلٹنا نہیں ہے۔ اس جانب سے طلوع ہونا ہے۔ اس پر غلام جیلانی برق نے اعتراض کیا' غلام احمد پرویز نے اعتراض کیا کہ یہ حدیث خلاف واقعہ ہے کہ سورج تو کہیں نہیں جاتا تو یہ تو اپنی Ecliptical Movement میں گردش کرتا رہتا ہے! مگر انہوں نے اس پر صبر نہیں کیا کہ اگر کوئی چیز سمجھ نہیں آتی تو نقطہ علم کی تلاش کی خاطر رک جائیں۔ اپنی رائے کو Cult اور بت پرستی نہ بنائیں' کیونکہ انسان سوچتا ہے کہ اس کا علم ہی صرف آخر ہے۔ اگر وہ جلدی نہ کرتے تو وہ آج کے اس سائنسی انکشاف کو دیکھ لیتے کہ سورج مع اپنی Constellation کے بالا عرش تک جاتا ہے تو وہ مذکورہ حدیث مبارکہ پر معترض نہ ہوتے۔ اس طرح زیادہ تر جو ہمارے علماء اس دور میں پیدا ہوئے وہ بجائے علمی فکر میں اضافے کے مزید انحطاط کا باعث بنے کہ ہر آدمی کو قرب یزداں میں آگہی میسر نہ تھی۔ وہ اخلاص میسر نہ تھا' جس سے اللہ کا قرب چاہا جاتا تھا اور جب انہوں نے ارد گرد بھی وہ لوگ نہ پائے جو علم و معرفت کی انتہا پر بھی ہوتے اور قلبی علوم اور انکشافات ذات کی بھی انتہا پر ہوتے تو انہوں نے ایک چیز فرض کر لی کہ تصوف یا یہ درجہ ایقان مفقود ہے اور تمام کا تمام زور عملیات پر چلا گیا' اس طرح عملیاتی (Pragmatist) مسلمان پیدا ہوئے جو حد درجہ نماز روزہ کی پابندی کے تو

قائل تھے مگر انہیں اس کے سوا کچھ نصیب نہ ہوا۔ اس خیال سے کہ امت مسلمہ کے انحطاط کا سبب اعمال میں کمی ہے۔ اس کی آرگنائزیشن میں پڑ گئے۔ انہوں نے بہترین کوشش کی کہ انجمنیں بنا کر دین کو آرگنائز کریں' مگر پچھلے ستر سال سے ایک بھی ایسی آرگنائزیشن نہیں جس نے کوئی موثر کام کیا ہو' مگر دس دس' پندرہ پندرہ سال میں تو صوفیائے اساتذہ نے چاہے وہ غزالی تھے' علی بن عثمان ہجویری تھے یا عبدالقادر جیلانی تھے' انہوں نے پوری کائنات اسلام بدل دی' مگر دوسری طرف جن لوگوں نے ستر سال عملیت کی آرگنائزیشن تعمیر کی' وہ امت مسلمہ کے انحطاط کو نہ روک سکے۔ یہ انحطاط اس لیے جاری رہا کہ پاور دین کا کبھی بھی مقصد نہیں رہا۔ دین کا واحد مقصد خدا طلبی اور خدا رسیدگی ہے۔ جب لوگوں کے دلوں سے آرزو و طلب و جستجوئے پروردگار اٹھ جائے تو تمام دین بالکل اس طرح ہے جیسے عیسائیت کے رسوم و اطوار' تمام دین اپنے اپنے ایک ضابطے اور اصول پر قائم ہیں۔ ہم کسی دین کو اس لیے برا نہیں کہتے کہ گو وہ دین نہیں مگر ایک نظام ضرور ہیں۔ وہ تبت کا لاما ہو یا صیہونیت کا فری میسنری یا افریقہ کے شامان ہوں۔ اگرچہ یہ بھی مذاہب ہیں مگر اسلام ان سب سے جدا اور امتیازی شان کا حامل ہے۔ اگر سارے مذاہب کا مقصد جیسا کہ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ خدا ہے تو ان کی راہ کو اپنانا موثر کیوں نہیں؟

میں کیوں عیسائیت یا یہودیت قبول نہیں کرتا؟

میں بدھ مت کا پیروکار کیوں نہیں بن جاتا؟

میں ہلایان یا ماہجان آرڈر کو کیوں اختیار نہیں کر لیتا؟

دنیا میں بڑے بڑے افکار اور فلسفے موجود ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ ان کا تفکر و خیال بنیادی طور پر خدا کی طرف جاتا ہے مگر عملاً وہ خدا طلبی میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اسلام ہر اس اہل دل کی مجبوری ہے جو اللہ کا طالب ہے۔ اگر کسی اور مذہب سے بھی خدا ملتا ہو تو اسلام ضروری نہیں رہتا' جس کو خدا چاہیے اسے ہر صورت میں مسلمان ہونا پڑے گا۔ اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ چاہے آج ایک ارب مسلمان عملاً خدا تک نہیں پہنچ پا رہے' مگر جسے خدا کی طلب ہے اسے ہر قیمت پر اسلام قبول کرنا پڑے گا۔

تبت کا لاما پچیس برس کی ریاضت کے بعد مسلمان ہو گیا۔ بھگدیشو آرڈر اس کی نگرانی کرتا تھا۔ جب اسے کہا گیا کہ اس نے اپنا مذہب کیوں تبدیل کیا ہے؟ تو اس نے کہا کہ مجھے تسکین قلبی اور خدا کی طلب ہے جو پچیس سال تک لاما ہونے کے باوجود میں حاصل نہیں

کر سکا۔ اس لیے میں مسلمان ہو گیا۔ اسے کہا گیا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو' دراصل بطور لاما تمہاری توانائیاں ختم ہو گئی ہیں' اس لیے اب تم نے اسلام قبول کیا ہے۔ جب اس جھگڑے نے طول پکڑا تو ہانگ کانگ میں ایک بہت بڑا مناظرہ ترتیب دیا گیا جس میں اس لاما کو چیلنج کیا گیا۔ ریکارڈنگ کے لیے بہت سارے کیمرے اور ٹیلی ویژن بھی نصب کیے گئے۔ اس سے وہاں پوچھا گیا کہ تم نے اسلام قبول کر کے بغاوت کیوں کی؟ اور لاما کے آرڈر کو کیوں ترک کیا؟ تو اس نے کہا بھائیو! میں نے تمہیں پہلے بھی کہا کہ میں پچیس سال تک لاما رہا ہوں' میں نے انتہائی گہری ریاضت کی ہے' مگر اس آرڈر سے مجھے امن اور خدا نہیں ملا۔ اس لیے میں نے اسلام قبول کیا اور ان دونوں کو پالیا۔ جب اسے کہا گیا کہ تم اپنی طاقت کھو چکے ہو تو اس نے بڑے لامے سے کہا کہ سٹیج پر آجاؤ اور میری طاقت کو آزمالو۔ جب وہ سٹیج پر آیا تو اس نے کہا اگر تم طاقتور ہو تو یہاں سے نیچے چھلانگ لگا دو۔ جب بڑا لاما سٹیج سے اترنے لگا تو ایک سناٹا چھا گیا۔ اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا تو بڑے لامے کا آدھا پاؤں بالکل ساکت ہو گیا اور وہ بالکل سٹیچو کی طرح لٹک گیا۔ وہاں پر تقریباً ساری دنیا کے لوگ آئے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد اس نے پھر ہاتھ سیدھا کیا تو وہ نیچے گر گیا۔ اس پر اسلام قبول کرنے والے لامے نے کہا' بہنو اور بھائیو! میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ میری طاقتیں ہرگز ختم نہیں ہوئیں' مگر 25 سال تک لاما رہنے کے باوجود مجھے امن اور خدا نہیں ملا اور سکون و خدا کو پانے کا واحد راستہ اسلام ہے۔ سو میں نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ نعمت ہم میں موجود ہے' مگر ہم اس نعمت کو ضائع کر رہے ہیں۔ ہم اپنے غور و فکر کو معطل کر کے' سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں سے عاری ہو کر جب ہم خدا کو مکمل طور پر نظرانداز کر رہے ہوتے ہیں تو ہم اللہ کی اس عظیم نعمت کی توہین کر رہے ہوتے ہیں۔

جب اصحاب رسول ﷺ میں سے ایک نے گندی سڑی ہوئی کھجوریں مسجد نبویؐ پر لٹکائیں۔ رسم یہ تھی کہ جس کا کچھ زیادہ ہوتا وہ خوراک مسجد نبویؐ پر رکھ دیتا اور وہ اصحاب جو رزق و اسباب کی سبیل نہیں رکھتے تھے وہ وہاں سے اٹھا لیتے تھے۔ ایک صحابی نے جب کچھ گلی سڑی کھجوریں وہاں رکھ دیں تو پروردگار عالم کو اتنا غصہ آیا کہ فرمایا کہ اگر تم اپنی بہترین چیز مجھ کو نہیں دے سکے تو بدترین نہ دو' درمیانی دے دو۔ مقام فکر ہے کہ اگر ہم اپنے اللہ کو بہترین عمر نہیں دے سکے تو کم از کم بدترین عمر تو نہ دیں۔ جب سماعت نہ رہی' جب بصارت نہ رہی' جب زندگی کے تمام لذات ترک ہو گئے اور اس مجبوری میں جب دنیا نے ہم کو ریٹائر

کر دیا' بہترین صلاحیتیں ہم نے دنیا کو دے دیں اور پھر دنیا نے ہمیں ایک دن کہا کہ اب اسے ینگ بلڈ کی ضرورت ہے۔ اب آپ گھر جائیے' اللہ اللہ کیجئے' آپ ریٹائر ہوئے۔ جب یہ نوبت آئے کہ اب کوئی راستہ نہیں رہا' اس بڑھاپے میں اس نوبت کی عمر میں جسے پروردگار ارذل عمر کہتا ہے ہم پروردگار کی طرف لوٹتے ہیں:

ومنکم من یردالی ارذل العمر لکیلا یعلم بعد علم شیاء (۱۶:۷۰)'(۲۲:۵)

ترجمہ :اور تم میں سے کچھ وہ ہیں جو عمر کے برے دور کی طرف لائے جاتے ہیں کہ علم کے بعد بھی انہیں کچھ علم نہیں رہتا۔

اس سے بڑا تضاد اور کیا ہو گا کہ جو بہترین صلاحیتوں کا وقت تھا' جب ہمیں پروردگار عالم کے لیے خلوص و محبت سے جد و جہد کرنی چاہیے تھی تب ہم نے طاقت' تمام قوت' تمام شعور ایک چھوٹے مقصد کو دے دیا اور جب ہم بے کار محض ہو گئے' جب ہماری زندگی میں Protracted Cells کے کچھ نہیں رہا' جب دنیا نے ہمیں اپنے پاس سے فارغ کر دیا' اب ہم چلے ہیں کائنات کے خالق کی تحقیق کے لیے! یہ علمی فکر کے بنیادی انحطاط کے باعث ہے کہ ہم نے خدا کو کبھی سنجیدہ نہیں لیا' حالانکہ خدا زندگی میں ترجیح اول سے نیچے آنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ یہ اعمال میں نہیں ذہن میں ہے۔ یہ آپ کے تجسس فکری کا نچوڑ ہونا چاہیے اور یہ بات بھی یاد رکھ لیجئے کہ تمام علمیت اور تمام ذہنی فکر کا صرف ایک فطری نتیجہ ہے اور وہ اللہ ہے۔ اگر آپ غور و فکر کے باوجود تخلیق اور جستجو کے باوجود آپ اللہ تک نہیں پہنچ سکے تو واپس مڑ کر دیکھئے کہ آپ کا علم کہاں غلط ہے؟ آپ کی فکر کہاں غلط ہے؟ یہ ایک قدرتی انجام ہے کہ غور و فکر فکر اللہ کے سوا کہیں اور نہیں پہنچتا۔ وگرنہ علم کا ارتقاء رک جائے گا۔ کوئی علم رسل پر آکر رک جائے گا تو کوئی Willgenstien پر کوئی سگمنڈ فرائیڈ پر آکر رک جائے گا۔ یہ علم تو بڑا مختصر ہے' جسے آکر تھوڑا سا بھی وقف دیا جائے تو ختم کیا جا سکتا ہے۔ چند بڑے نام' چند بڑی تحریریں' کوانٹم کی تھیوری' نظریہ اضافیت' Gestalt کا سکول اور Behaviourism اس کے علاوہ علم جدید کیا ہے؟ یہ علم اتنا زیادہ نہیں۔ مدتیں گزریں انسان نے تحقیق و جستجو میں اتنی تیزی سے ترقی نہیں کی۔ آئن سٹائن نے اضافیت کا قانون دیا اور یہ تصور دیا کہ $E=mc^2$ یعنی توانائی اور مادے کو باہم دگر تبدیل کیا جا سکتا ہے' مگر آج تک اس کا دوسرا قانون ثابت نہیں ہو سکا۔ یعنی علم و تحقیق کی رفتار اتنی سست ہے کہ آئن سٹائن نے جو بات برسوں پہلے کہی تھی وہ آج جا کر Fusion کی صورت میں سامنے

آئی۔ انسانی ترقی کتنی محدود ہے اور کتنی سست رفتار ہے اس کا اندازہ ان ترقیوں سے کر لیں جو انسان کر رہا ہے۔

ایک بڑا کام جو علامہ اقبالؒ نے تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ میں انجام دیا وہ مذہب کا دفاع ہے۔ اس میں بھی انہوں نے اس بنیادی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آج کے مسلم فکر میں بنیادی نقص یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو مغرب سے کمتر سمجھنے کے احساس میں مبتلا ہے۔ ہم میں اتنی خود اعتمادی نہیں کہ آج بھی ہم میں سے بہترین یورپ کے فکر سے مرعوب ہیں۔ آج بھی ہم اپنی عقل و ہدایت کے شعور کے لیے یورپ کی طرف دیکھتے ہیں۔ ایک طرف جو مولوی صاحب ہیں وہ اس حقیقت کو بالکل ماننے سے ہی انکاری ہیں اور دوسری طرف جو سیکولر ہیں ان کا خدا اور رسولؐ ہی یورپی فکر ہے۔ وہ اللہ اور رسول کو اسی فکر سے مرتب کرتا ہے جس کو اس نے یورپی فلسفہ کی روشنی میں حاصل کیا اور ان دونوں میں بعد المشرقین ہے۔ ایک جہالت کی ابتداء اور انتہا پر ہے۔ ایک تقلید اور مغلوبیت کی انتہا پر اور کسی کو بھی آزاد فکر مسلم نہیں کہا جا سکتا۔

بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
کہ دنیا میں فقط مردان حر کی آنکھ ہے بینا

(اقبالؒ)

غلام سے لذت قرآن مت حاصل کرو چاہے حافظ قرآن ہی کیوں نہ ہو' جس ذہن پر کسی بھی مغلوبیت کا گمان ہو' مگر ناظرہ قرآن سے آگے جانے کی ہماری نوبت نہیں آتی' کیونکہ ہمارا عالم اس سے آگے کچھ دے ہی نہیں سکتا۔

آج علمی فکر میں انحطاط کیسے نہ آئے کہ قرآن حکیم کے معیار پر مسلمان پہنچ نہیں رہا۔ اللہ میں انحطاط نہیں آیا۔ اس نے تو اپنی ہدایت کا Package مکمل کر دیا ہے۔ وہ دن اس نے بتا دیا ہے کہ اے انسان تو نے اس منزل تک آنا ہے کہ سورج لپیٹ دیا جائے گا' چاند مدھم پڑ جائے گا اور ستارے بجھ جائیں گے اور ہم سورج اور چاند کو دوبارہ جمع کر دیں گے۔ بگ بینگ ختم ہو جائے گا۔ ساری کائنات تباہ ہو جائے گی۔ اے انسان تیرا یہ انجام ہے! مقام فکر ہے کہ وہ خدا جو آپ کا انجام متعین کر چکا ہے' جو آخرت کا وقت متعین کر چکا ہے' کیا اس سے بعید ہو گا کہ اس کے درمیان میں انسانی ذہن کے Intellectual Process سے ناآگاہ ہو۔ جو عرصہ حیات کو متعین کر چکا ہو جو انجام دین کو مکمل کر چکا ہو کیسا بے خبر

انسان ہے جو ماڈرن ہو کر بھی یہ سمجھتا ہے کہ میرے Intellectual Process کی خدا کو کوئی خبر نہیں' میں جب جدید سائنسی انکشافات پر بحث کر رہا ہوں' جب میں جینیاتی انجینئرنگ کے جدید قوانین پر گفتگو کر رہا ہوں تو یہ خیال کہ شاید خدا آج کے ان جدید افکار کو نہ سمجھے گا۔ یہ آج کے انسان کی بنیادی غلطی ہے جس میں وہ مبتلا ہے۔ اس کے نزدیک خدا کا خیال جیوڈازم کے خدا کا ہے۔ یہودیت کا تصور ہے۔ وہ اسلام کے خیال کو بھی یہودی تصور خدا کے طور پر لے رہا ہے۔ اسے قطعاً اس بات کا علم نہیں کہ خدا تو بہت دور کی بات ہے وہ جن گلیکسیز کا شہنشاہ ہے' ان میں سے ایک گلیکسی کو سمجھنے میں ابھی تک انسانوں کو اس کی مدت کا اس کے فاصلے کا تعین نہیں ہو سکا۔

ایک معمولی ترین گلیکسی کی حد ابھی حضرت انسان کو پتہ نہیں لگی۔ ایک حیرت انگیز انکشاف ہبل ٹیلی اسکوپ نے کہا کہ آج سے 11.5 بلین سال قبل جو دھماکہ ہوا اور جس میں ستارے ٹکرائے تھے' اس کی روشنی اب ہبل ٹیلی اسکوپ تک پہنچی ہے۔ انہوں نے کہا کہ جس گلیکسی میں ہم رہ رہے ہیں' یہ پندرہ ارب سال کی ہے۔ اگر ہم زیادہ موثر اور مضبوط ٹیلی اسکوپ بنالیں تو ہم ابتدائے کائنات کو دیکھ سکتے ہیں۔ تخلیق و جستجو کی جو دنیا ہمارے اردگرد آباد ہو رہی ہے۔ یہ قرآن کو غلط ثابت نہیں کر رہی۔ ۱۲' ۱۳ صدی میں کسی نے ابن رشد سے پوچھا کہ عاد و ثمود کون تھے؟ اور ان کا حشر کیا ہوا؟ ابن رشد اپنے زمانے کا سب سے بڑا فلاسفر تھا۔ وہ کسی تحقیق کے بغیر کسی چیز کو تسلیم کرنے سے عاری تھا۔ اس نے کہا عاد و ثمود کون تھے؟ تم مجھ سے ان کے حشر کی بات کرتے ہو' میں تو ان کے وجود تک سے ناآگاہ ہوں۔ یہ رد یہ تھا کہ محقق بغیر تحقیق کے قرآنی آیت کو تسلیم نہیں کر رہا۔ یہ تو اب جارڈن میں Preserves نکلے۔ ان لوگوں نے جنہوں نے پہاڑوں کے اندر گھر بنائے تھے' مگر یہ آثار علما نے نہیں Archeologists نے دریافت کیے ہیں' یعنی جن حقائق کا تذکرہ قرآن کرتا ہے' جدید تحقیقات ان کا ثبوت فراہم کر رہی ہیں۔

اسی لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا قول ہے کہ تمام زمانوں کے علوم میں اس امت کا حصہ ہے۔ اگر آپ جدید علوم کی آگاہی حاصل نہ کریں گے تو آپ کی تحقیق و جستجو ناکافی رہ جائے گی۔ دو آیات میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ آپ ان پر غور کیجئے اور یہ دیکھ کر بتائیے کہ کیا یہ آیات کسی طور پر بھی آپ کو سمجھ آ سکی ہیں:

کیف تکفرون باللہ و کنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ

ترجعون (۲:۲۸)

ترجمہ: تم اللہ کا انکار کس طرح کر سکتے ہو' حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں موت دے گا پھر زندہ کرے گا' پھر تم اسی کی طرف لوٹ جاؤ گے۔

یہاں ایک چیلنج کے انداز میں کہا جارہا ہے کہ تم میرا انکار کس طرح کر سکتے ہو' اس کے لیے تمہارے پاس کوئی Authority نہیں ہے۔ دوسری طرف فرمایا:

اولم یر الذین کفروا ان السموات و الارض کانتا رتقا ففتقنھما (۲۱:۳۰)

ترجمہ: کیا کفر کرنے والے نہیں دیکھتے کہ آسمان اور زمین اکٹھے تھے پھر ہم نے انہیں پھاڑ کر علیحدہ کر دیا۔

یہ دونوں آیات آپ کو سمجھ نہیں آسکتیں جب تک علم ہیئت پر نظر نہ ہو۔ جب تک آپ کو بیالوجی کے علم کی جدید تحقیقات کی آگاہی نہ ہو۔ زمین کے وجود میں آنے سے متعلق ۲۷ مختلف تھیسز ہیں اور ہر تھیسز ایک بات ہی بیان کرتا ہے کہ شروع میں زمین و آسمان ایک ہی تھے پھر ایک بڑا دھماکہ ہوا اور زمین آسمان سے الگ ہو گئی۔ اسی طرح سورج اور دوسرے ستارے بھی۔ زندگی کے بارے میں بھی کہا گیا کہ ہوا سے پیدا ہوئی' کبھی آگ سے کہا گیا کبھی اس کی ابتداء کو Spontaneous کہا گیا یعنی سائنس ایک مفروضہ قائم کرتی ہے اسے قانون کی شکل دیتی ہے اسے قانون کی شکل ایک تجربہ و مشاہدہ کی مسلسل جدوجہد کے بعد قرار دیا جاتا ہے۔ یعنی کسی مفروضے کے قانون بننے کا مطلب یہ ہے کہ مدتوں کی تحقیق اور جستجو کے بعد ہم نے سائنس میں ایک باب فائنل کر دیا ہے۔ وہ قانون آج سائنس نے یہ فائنل کیا ہے کہ تمام زندگی پانی سے پیدا کی گئی ہے۔ قرآن اسے نقل نہیں کرتا بلکہ صدیوں پہلے اس حقیقت کو بیان کرتا ہے۔

وجعلنا من الماء کل شیء حی (۲۱:۳۰)

ترجمہ: اور ہم نے ہر زندہ شے کو پانی سے بنایا ہے۔

اگر آپ نے قرآن کو سمجھنا ہے تو قرآن سے پہلے جو علوم گزرے ہیں ان کی آگاہی بڑی ضروری ہے۔ یونان کا بطلیموس (Ptolimy) ہو جس نے کہا زمین کھڑی ہے اور ستارے اس کے گرد گردش کر رہے ہیں' یہ نظریہ 1500ء تک کم و بیش جاری رہا۔ اس کے بعد کوپرنیکس نے کہا کہ بطلیموس غلط تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ سورج کھڑا ہے اور باقی ستارے اس کے گرد گردش کر رہے ہیں۔ مگر جب ہم قرآن کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے

کہ قرآن نے ان کا ساتھ نہیں دیا بلکہ بالکل الگ بات کی:

والشمس تجری لمستقر لها ذلك تقدیر العزیز العلیم (۳۶:۳۸)

ترجمہ: اور سورج اپنے مقررہ راستے پر چل رہا ہے اور یہ اندازہ ہے غلبے والے' جاننے والے رب کا۔

وکل فی فلك یسبحون (۳۶:۴۰)

ترجمہ: اور تمام (اجرام فلکی) اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔

قرآن نے بحیثیت قانون کے بیان کیا کہ سورج' چاند' ستارے میں نے مسخر کیے' ان میں سے کوئی بھی کھڑا نہیں ہے بلکہ سب متحرک ہیں۔ 1980ء تک جنہوں نے پرانا جغرافیہ اور معلومات پڑھیں تو ہم سب یہ پڑھتے تھے کہ کچھ اجرام فلکی ساکن ہیں کچھ چل رہے ہیں۔ قرآن پڑھتے ہوئے ان لوگوں کو کتنی مشکل ہوتی ہو گی جب وہ پڑھتے ہوں گے کہ ساکن کچھ بھی نہیں سب کچھ متحرک ہے۔ یہ 80ء کی بات ہے جب بڑی بڑی دور بینیں میسر آئیں۔ ستاروں کا مطالعہ ہوا تو یہ حقیقت سامنے آئی کہ دنیا میں ساکن تو کچھ بھی نہیں۔ اس طرح پروردگار کی بات سچ نکلی اور تمام فلاسفی و سائنس غلط!

کیا ہمیں مطالب قرآن پاک تک پہنچنے کے لیے مطالعہ کی ضرورت نہیں' ہمیں اپنی زندگی کی بہترین جدوجہد کی ضرورت نہیں' ہمیں گہرے تفکر کی ضرورت نہیں؟ ہمیں اس محبت کی ضرورت نہیں؟ اس کی جو ہمیں پروردگار تک رسائی کا باعث بنے۔ ایک بات اچھی طرح یاد رکھئے کہ انسانی ذہنی تجسس کی ایک ہی ترجیح ہے اور وہ ترجیح اول و آخر اللہ ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ذہن باقی کام کیوں کرتا ہے؟ باقی کام پروٹوکول ہیں۔ اگر میں قیامت کے دن اللہ کے حضور پیش ہوں تو میری تو اس سے بے تکلفی ہے۔ مجھے وہ سوال کرے گا تو میں اسے جواب دے دوں گا کہ ساری عمر اس کے ساتھ ادھر ادھر گزاری ہے' کبھی اس سے بھاگتے ہوئے کبھی اس کے پاس جاتے ہوئے۔ تو جب وہ مجھ سے کہے گا اے میرے بندے! میں نے تجھے عقل و معرفت بخشی تھی' اپنی پہچان کے لیے اپنی شناخت کے لیے تو تو نے مجھے پہچانا کیوں نہیں؟ میں نے قبر کے ایئرپورٹ پر ایک ٹیکنیکل سوال پوچھا تھا کہ اس کے آگے جانا ہے تو ایک سوال بتا کر جاؤ "من ربک" تم نے صحیح جواب کیوں نہ دیا تھا۔ تو میں کہہ سکتا ہوں کہ پروردگار! تو نے مجھے فرصت ہی کب دی' اس مسئلے کو سوچنے کے لیے میں تو بیوی بچوں کی فکر میں رہا۔ مکان کی' بلڈنگ کی فکر میں رہا' سٹیٹس کی فکر میں

رہا۔ مجھے تو نے تو ایک لمحہ فرصت نہیں دی۔ میری ساری عقل تو ادھر لگ گئی۔ میں تو ان پر غور کرتا رہا۔ خدا کہتا ہے میرا بندہ جھوٹ کہتا ہے' ان میں سے کسی چیز کی بھی ذمہ داری اس کی نہیں تھی۔ تمام مقدر تو پروٹوکول ہے۔ اس میں سے کسی چیز کی بھی ذمہ داری آپ کی نہیں تھی۔ آپ کو جس کام کے لیے بھیجا گیا تھا وہ اس سے مختلف تھا۔ آپ کو عقل و شعور اور تجسس و فکر شناخت خداوند کریم کے لیے دیا گیا تھا' مگر آپ اسے کم ترجیح دیتے رہے! آپ نے بیوی پر توجہ لگادی' بچوں پر توجہ لگادی اور جب وقت چلا گیا تو آپ مسلمان تو ہیں مگر آپ اللہ کے محبوب بندے نہیں بن سکتے۔ اللہ نے آپ کو اپنی بخشش سے نوازا تو یہ کرم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے لرزتے ہوئے آنسوؤں نے آپ کی نجات کا بندوبست کر دیا' ورنہ جو نعمت اللہ نے ہمیں دی تھی ہم اس کے حق دار نہیں ہیں۔ ہم نے اسے اس کے بنیادی مقصد کے لیے استعمال نہیں کیا۔ اس کو یوں سمجھئے کہ میں اپنے بھائی کو کہتا ہوں بھائی یہ پیسے لے جاؤ پنڈی جا رہے ہو' اچھا کھاؤ پیو' اچھے ہوٹل میں ٹھہرو' لیکن میرا یہ خط وہاں پہنچا دو۔ تین دن بعد وہ میرے پاس آتا ہے کہتا ہے' بھائی صاحب میں نے بہت انجوائے کیا' بڑا اچھا وقت گزارا' میں نے دو موویز دیکھیں' فلاں ایکٹر کا تو جواب ہی نہیں تھا' میں مسجد بھی گیا' فلاں جگہ بھی گیا! میں اسے کہتا ہوں بھائی ٹھیک ہے سیر بھی کر لی اور سرمایہ بھی لگا دیا لیکن میرے خط کا کیا بنا؟ وہ کہنے لگا "سوری سر' خط تو میں Deliver نہیں کر سکا!" (گویا وقت نہیں ملا) اب تصور کریں کہ میرے غصے اور جھنجلاہٹ کا کیا عالم ہو گا؟

اسی طرح خدا نے ہمیں رزق دیا۔ بیوی بچے دیئے' تفریح دی' ہر چیز اس نے ہمیں عطا کر دی' مگر جو لیٹر ہم نے ڈیلیور کرنا تھا' وہ ہم نے واپس اللہ کو لوٹا دیا۔ نفسیات کا ایک اساسی نکتہ اور اصول یاد رکھیں کہ ذہنی طور پر جس چیز نے آپ کو Possess کیا مرتے دم تک وہی آپ کے ساتھ رہے گی۔ زندگی میں آپ نے جس چیز کو ترجیح دی جس کی خاطر صبح و شام اپنے تصور کے چراغ جلائے اور جس خیال کو اپنے آغوش ذہن میں پالا اور اس کی خاطر راتیں جاگیں اور صبحیں ضائع کیں' وہی آپ کے ساتھ قبر تک جائے گا۔ اس لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کائنات کے سب سے بڑے سائیکالوجسٹ نے آپ کو بتایا کہ اللہ سے گمان ٹھیک رکھنا خاص کر مرتے وقت! یہ گمان کیا چیز ہے؟ ایک بدو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور پوچھنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کو حساب کون

لے گا؟ فرمایا' اللہ خود! وہ ہنسا اور چل دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حیران ہوئے کہ اس میں ہنسنے کی تو کوئی بات نہیں تھی۔ فرمایا' دوڑو اور اسے واپس بلا کر لاؤ۔ جب وہ واپس آیا تو پوچھا تو ہنسا کیوں؟ اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے دیکھا ہے کہ جب کوئی زندگی میں اعلیٰ ظرف حساب لیتا ہے تو نرم لیتا ہے۔ اللہ سے بڑا اعلیٰ ظرف کون ہو گا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' دیکھو اس بدو کا گمان اللہ پر کتنا اچھا ہے۔ اور فرمایا کہ آخرت پہ گمان اللہ سے درست رکھنا۔

لوگ کہتے ہیں کہ تقلید اچھی نہیں ہوتی۔ بہت سارے مذہبی فکر میں ایسے لوگ پیدا ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ تقلید اچھی نہیں ہوتی' مگر اب ذہن کی استطاعت جو ہے وہ اتنی محدود ہے کہ ایک ریڑھے والے کو آپ کا دماغ دے دیا جائے تو وہ اگلے دن ہی مر جائے گا۔ اسے صبر و سکون اور بوجھ اٹھانے کی طاقت اور استطاعت اللہ نے دی ہے' جو آپ میں نہیں ہے۔ آپ کا ذہن اسے ملتے ہی وہ بے چینی اور اضطراب سے مر جائے گا' تمام اذہان کو خدا نے اس کے کام کے مطابق ترتیب دیا ہے اور جبر کی تعریف یہ نہیں کہ مقدر میں کیا لکھا ہے اور کیا نہیں لکھا' جبر کی ایک خوبصورت تعریف ایک مغربی نے Scientific Determination کا فلسفہ دیتے ہوئے یوں کی:

"A moment of time is filled into a piece of space."

اگر اللہ ایسا نہ کرتا تو ایک بحران زندگی پیدا ہو جاتا۔ زمین پر کسی کو گھر نہ ملتا۔ کسی کو شناسائی نہ ملتی۔ انسانیت کا باہم ایسا افراتفری پر مشتمل ملاپ ہوتا کہ ایک ہی جگہ سارے اکٹھے ہوتے نہ کسی کو گلی نظر آتی نہ کسی کو دروازہ نہ آج ہم یہاں ہوتے۔ تو خدا نے اس لمحہ زمانہ کو اس نظام کے ساتھ جوڑ کر آپ کو زحمت شنوائی کی اور مجھے ہفت گفتار بخشی۔ اس طرح اللہ کو سمجھنے کے لیے ہمیں اس محدود رویے کو ترک کرنا ہو گا' جس پر ہم قائم ہیں۔ دیکھیں ایک لڑکا ایف ایس سی میں داخلہ لیتا ہے پھر ایم بی بی ایس کرتا ہے۔ ایک وقت آتا ہے کہ وہ پیشہ وارانہ مہارت کے کمال پر ہوتا ہے تو آپ کہتے ہیں کہ زندگی میں اس نے بڑی علمی تحقیق اور جستجو کے بعد یہ مقام حاصل کیا ہے۔ ایک سادہ موٹر مکینیک بھی ۲۰ سال بعد اس کا پورا علم جانتا ہے اور پھر وہ سلف کو کنجی لگا کر کہتا ہے کہ اس میں فلاں نقص ہے۔ ہر جگہ علم و حکمت ترقی کرتی ہے سوائے مسلمانوں کے ہاں! یہاں ایک شخص اسلام کو نماز اور روزے سے شروع کرتا ہے اور پھر اسی پر مرتا ہے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ دنیا کی چھوٹی

چھوٹی یونیورسٹیوں کے طالب علم تو بہت ترقی کر گئے مگر خدائے علیم و حکیم کی طرف جانے والا بالکل وہیں کھڑا ہے جہاں وہ ازل سے کھڑا تھا۔ اس میں اللہ میاں کا کوئی قصور نہیں ہے۔ بنیادی طور پر یہ ہماری خامی ہے کہ ہم اس مکتبہ علمیہ تک نہیں پہنچ سکے' جس پر خدا اور اس کا قرآن قائم ہے' جس پر وہ تعلیم قائم ہے۔ بنیادی طور پر دو خامیاں ہیں۔ ایک تو ہمارا مغربی فکر کے سامنے احساس کمتری ہے۔ کبھی ہم اس کا شدت سے انکار کر کے Stubborn Animals ہو جاتے ہیں اور کبھی شدت سے قبول کر کے ہم اپنا احساس ذہن کھو بیٹھتے ہیں۔ یہ دونوں خامیاں ہم میں موجود ہیں اور دوسرا یہ کہ ہم سے مدت ہوئی ہماری ترجیح اول کھو گئی ہے۔ ہم اسلام مانگتے ہیں' ہم مذہب کی پرستش کر رہے ہیں' ہم خدا کی پرستش نہیں کر رہے' جب تک ہمارے اذہان میں یہ ابہام Clear نہیں ہو گا کہ ہماری سمت کا تعین ترجیح اول کی صحیح تعیناتی کے بغیر نہ ہو سکے گا' اس وقت تک ہمارا مذہب صحیح بنیاد پر استوار نہیں ہو گا۔ خدا نے تو ہم سے وعدہ کیا ہے بہت بڑا وعدہ اتنا کھلا اور کشادہ وعدہ کہ پروردگار کے اس وعدے پر اعتبار نہ کرنا عجیب سا لگتا ہے:

ولاتھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین (۳:۱۳۹)

ترجمہ: اور سستی نہ کرنا اور غم نہ کرنا اور تم ہی غالب ہو' اگر تم اہل ایمان ہو۔

فرمایا سستی اور غم نہ کرنا۔ مجھے اپنے عزوجلال کی قسم ہے کہ اگر تم اہل ایمان ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔ ہم غالب کیوں نہیں؟ بڑی مدت سے نہیں' بہت صدیوں سے نہیں ہیں۔ اس کی ایک وجہ بہت سادہ سی ہے۔ ہمارے علمی فکر کے مکمل انحطاط نے ہمیں ترجیحات سے غافل کر دیا۔ ہم دین اور عمل کی بہت زیادہ باتیں کرتے ہیں' مگر دین کی غرض و غایت سے ناآگاہ ہیں۔ ہماری زندگی کی نفسیات اللہ کے احکام سے مرتب نہیں ہوتی۔ ہماری فکر پر کسی الوہی رہنمائی کا سایہ نہیں ہے۔ ہم تمام ترجیحات سے نمٹنے کے بعد بالآخر عمر آخر میں اللہ کی طرف جاتے ہیں۔ ہم اپنے علمی مسلک میں اتنے کمزور ہیں کہ ہم نے دین کی وضاحت کا کام سب سے کم تر علم والوں کو دے رکھا ہے اور ہم نے کبھی محنت نہیں کی۔ سوچا تک نہیں کہ ایک بی اے کرنے کے لیے چودہ برس گزر گئے تو اتنی بڑی کائنات کے رب کی علمی تحقیق اور جستجو کے لیے کیا ایک سال بھی نہ لگے گا۔ کیا ہم نے زندگی کا کوئی وقت بھی سنجیدگی سے خدا کو دیا ہے؟ اس سے کچھ سیکھنے کے لیے دیا ہے؟ اس کو جاننے کے لیے دیا ہے؟ یہ وہ بنیادی نقائص ہیں جو ہمارے انحطاط کا باعث ہیں۔ رب کعبہ کی قسم! اگر

آج بھی مسلمان محقق، مسلمان طالب علم خدا کو سامنے رکھتے ہوئے تعلیم حاصل کریں تو خداشناس ہو سکتے ہیں۔ یہ بد قسمتی کی بات ہے کہ علم برائے علم نہیں رہا، علم برائے خدا تو بڑی دور کی بات ہے۔ عالم اسلام میں یہ ایک حادثہ اور المیہ ہے کہ تمام علم برائے مال حاصل کیا جارہا ہے۔ ڈاکٹر اس سے مال کمارہا ہے، انجینئر اس سے مال کمارہا ہے، مگر علم برائے خدایا علم برائے علم کا وجود اٹھ گیا ہے۔ ایسا علم ہمیں کہاں لے جاسکتا ہے۔ وہ تو آپ کے دیار ذہن کا جلاوطن ہے۔ پتہ نہیں بے چارہ کہاں کھو گیا ہے اور انتظار کر رہا ہے کہ کب یہ مجھے گھر بلائے اور کب میراث مومن اپنے گھر کو پلٹے؟ کہ کب یہ رب ذوالجلال کی آیات کو پورا کرے؟ کب یہ حکمت و میراث مردومومن کو طلب کرے؟ کب یہ خدا کے لیے خدا کو جاننا پسند کرے؟ بغیر علم کے حقیقت اشیاء نہیں ملا کرتی۔ علم کی دین میں اس سے عجیب کوئی بات نہیں جو رسل نے کہی:

"We only know the relationship of things, we do not know the nature of things."

بیسویں صدی کا علم آج اس مقام پر پہنچ رہا ہے کہ ہم صرف اشیاء کے تعلق کو جانتے ہیں اور اشیاء کی حقیقت نہیں جانتے، مگر یہ کتنی عجیب بات ہے کہ ہم اس نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار ہیں جو 15 سو برس قبل دعا مانگ رہے ہیں:

اللھم ارنی حقائق الاشیاء کماھی (الحدیث)

اے اللہ مجھے اشیاء کی حقیقت ایسے دکھا جیسے کہ وہ ہے۔

آپ کا رہبر کیسا عجیب استاد ہے وہ جو انداز فکر اور علم آپ کو سکھا رہا ہے۔ وہ آپ کو بتا رہا ہے کہ جب بھی اللہ سے مانگو حقیقت اشیاء کی دعا مانگو کہ اے پروردگار مجھے حقیقت اشیاء کا علم دے۔ مجھے اس کی گہرائی فکر عطا کر دے کہ میں علم شش جہات کی تہہ تک پہنچوں۔ مجھے ایسا علم دے ایسا تجسس دے کہ میں دامن یزداں کو چاک کر کے گزروں۔ اقبال نے بڑی خوبصورت بات کہی:

جبریل زبوں صیدے در دست جنون من
یزداں بکمند آور اے ہمت مردانہ

کہ میرے جنون و عقل کے صحراء میں جبرائیل بہت ہی معمولی قیدی ہے۔ بہت ہی معمولی شکار ہے۔ میں کیوں ملائکہ کی جستجو کروں؟ اگر تم میں ہمت ہے تو کمند اللہ پر پھینکو۔

کیونکہ اسے اس سے محبت ہے کہ اس سے محبت کی جائے۔ اللہ نے بھی یہ بڑی بات کہی۔ اللہ تعالیٰ نے قطعی یہ کہا کہ مجھے اس طرح چاہو جس طرح محبوب کو چاہتے ہو۔ اس سے کم تر پر میں تمہیں نصیب نہیں ہو سکتا۔ ارشاد فرمایا:

فذکرو اللہ کذکر اباء کم او اشد ذکرا (۲:۲۰۰)

ترجمہ: پس اللہ کو ایسے یاد کرو جس طرح اپنے باپ دادا کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ یاد کرو۔

مجھے اس طرح چاہو جیسے اپنے Belonging کو چاہتے ہو۔ عرب کے سب سے مضبوط تعلق آباؤاجداد سے تعلق تھے۔ تو اللہ نے کہا کہ خوف و وحشت والی بات مجھے پسند نہیں ہے۔ یہ ڈرامہ عذر چھوڑو۔ اگر تم نے مجھے یاد کرنا ہے تو بعینہ اسی طرح محبت کرو جیسے اپنے آباؤاجداد سے بھی زیادہ مجھ سے محبت رکھتے ہو۔ ایسے لگتا ہے کہ آسمانوں پر تنہائی نے اسے صرف محبت ہی سکھائی ہے۔ وہ آپ کی طرف دیکھ رہا ہے۔ وہ آپ میں سے کتنا چوائس (Choice) رکھتا ہے۔ ذرا غور کیجئے کہ لاکھوں کروڑوں میں سے اور ارب ہا ارب لوگوں میں سے وہ کتنوں کی ہوس رکھتا کہ حضور گرامی مرتبت نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی' جب زمین پر ایک بھی اللہ اللہ کہنے والا موجود ہوگا۔ دیکھئے دنیا کتنی بڑی لیبارٹری ہے' اس میں Wastage کتنی زیادہ ہے اور چانسز کتنے محدود ہیں کہ اگر چھ ارب میں سے ایک بھی اللہ اللہ کہنے والا موجود ہو تو اللہ قیامت برپا نہیں کریگا۔ اسے اپنے یاد کرنے والے سے محبت ہے۔ اس لیے قرآن حکیم میں یہ تعلیم دی گئی:

اتل ما اوحی الیک من الکتب (۲۹:۴۵)

ترجمہ: اے پیغمبرؐ! جو کتاب آپ کو دی گئی ہے اس کی تلاوت فرمائیں۔

تلاوت کتاب سے مراد اللہ کا ذکر ہے۔ اسے دوسرے مقام پر واضح کر دیا گیا کہ قرآن حکیم دراصل اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے:

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون (۱۵:۹)

ترجمہ: بے شک ہم نے ہی اس ذکر کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ اسی طرح دوسرے مقام پر نماز کا حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا:

واقم الصلوٰۃ ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر (۲۹:۴۵)

ترجمہ: اور نماز قائم کرو' بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔

پھر فرمایا کہ نماز میرے ذکر کے لیے قائم کرو۔ قرآن بھی ذکر ہے۔ مگر کیا پروردگار کا منشا الٰہی اذکار تک ہے یا ذکر کا کوئی اور Pattern بھی ہے۔ فرمایا:

ولذکر اللہ اکبر (۲۹:۴۵)

ترجمہ: اور اللہ کا ذکر بہت بڑا ہے۔

کہ قرآن پڑھو' نماز ادا کرو' مگر میری یاد بہت بڑی بات ہے۔ یہ کیسی یاد ہو سکتی ہے؟ یہ یاد کوئی رسم نہیں ہے۔ یہ طریق کار کی قید نہیں ہے۔ اس کا کوئی مخصوص انداز نہیں ہے۔ یہ پگڑیاں باندھ کر نہیں کی جاتی مصلے سمیٹ کر نہیں کی جاتی' عطر لگا کر نہیں کی جاتی' یہ تو بدترین غلاظت میں اندھیروں میں' تاریکیوں میں' بدبو اور تعفن کے ماحول میں بھی ممکن ہے۔

فنادیٰ فی الظلمت ان لا الہ الا انت سبحنك انی کنت من الظلمین (۲۱:۸۷)

ذرا غور کیجئے! آج آیت کریمہ پڑھنے کے لیے کیا کیا اسباب و سامان مہیا نہیں کیے جاتے۔ خوشبوئیں' رنگ و روغن' چاندنیاں فرش دھلے ہوئے اور بڑے اہتمام سے ہر ایک دانے پر پڑھا جاتا ہے' مگر پڑھنے والے نے اسے کیسا پڑھا؟ کیا پڑھنے والے کو جواب نہیں ملا؟ کیا پڑھنے والے نے اسے جواب نہیں دیا؟ نہیں بلکہ اس آیت کریمہ کو سب سے پہلے پڑھنے والے کو جواب بھی دیا گیا اور پھر اس جواب کو ایک اصول بھی بنا دیا کہ ہم نے ایسے پڑھنے والے کو بھی نجات دی اور آیندہ کے لیے بھی یہ ضابطہ قرار فرمایا۔

فاستجبناله ونجینه من الغم وکذلك ننجی المومنین (۲۱:۸۸)

ترجمہ: پس ہم نے اس کی پکار کو قبول کیا اور ہم نے اسے غم سے نجات دی اور اسی طرح ہم اہل ایمان کو نجات دیتے ہیں۔

یہ غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اس آیت کریمہ میں کیا ہے؟ یہ ایک بڑی سادہ سی سٹیٹمنٹ ہے:

"Oh God! You are right, I am wrong, sorry."

سادہ سی بات ہے کہ اے پروردگار مجھ سے غلطی ہو گئی ہے۔ مکمل تو آپ ہو کہ آپ سے غلطی ہو ہی نہیں سکتی۔ میرے کمپیوٹر میں تم نے پہلے ہی غلطی کی گنجائش رکھی تھی سو غلطی ہو گئی۔ میں خسارے میں چلا گیا ہوں۔ میری خطا معاف کیجئے! اس سادہ سے اعتراف پر پروردگار نے قرآن میں لکھا ہوا وعدہ دے دیا کہ: "وکذلك ننجی المومنین" کہ ہم

نے اسے غم سے نجات دی اور نہ صرف اسے بلکہ رہتی دنیا کے لیے یہ ایک اصول بن گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بھائی یونس علیہ السلام کو پہلی مرتبہ یہ اسم گرامی عطا ہوا تھا' مگر میری امت کو ویسے ہی مل جائے گا جو کلمہ عالیہ ان کی نجات کا باعث تھا' جو یونس علیہ السلام کے لیے اتنے کرب و بلا اور اذیت و ابتلاء میں نجات کا باعث بنا' وہ ہمیں حضور ﷺ کے طفیل ویسے ہی عطا ہو گیا۔ فرمایا اے اہل ایمان! جب تم بھی اس انکسار اور محبت سے یہ دعا مانگو گے تو یقین جانو ہم تمہیں بھی معافی اور نجات عطا کریں گے۔ اس کے بعد کون ہے جو خدا کے وعدے پر اعتبار نہ کرے گا۔

میں اس حقیقت کو بھی واضح کرتا چلوں کہ اللہ کا تشکیل دیا ہوا سارا نظام سائنٹفک ہے۔ اللہ کے ہاں کوئی بے ترتیبی نہیں ہے۔ سپر کمپیوٹر لگا ہوا ہے' بہت بڑا کمپیوٹر اپنے کام میں مصروف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک بہت بڑا درخت ہے اور موت کے زیر اثر اس سے ایک پتہ نیچے گرتا ہے اور اس پر گئے گزرے کا نام لکھا ہوتا ہے۔ ملائکہ اسے اٹھاتے ہیں اور مرنے والے کی تلاش میں نکل جاتے ہیں۔ صرف درخت کو کمپیوٹر میں بدل دیا۔ کارڈ باہر نکل رہے ہیں اور اٹینڈنٹ کھڑے ہیں۔ کارڈ پنچ ہو رہا ہے۔ وہ کارڈ اٹھاتے جاتے ہیں۔ معراج کی شب کے متعلق رسول گرامی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے جبریل امینؑ لے کر ایک درخت کے پاس آئے وہ اوپر سے درخت کی طرح تھا۔ اس میں دو جگہیں بیٹھنے کی بنی تھیں ایک پہ جبریل بیٹھے اور ایک پہ مجھے بیٹھنے کا کہا' پھر اشارہ کیا۔ اس سواری سے شرارے اور آگ نکلی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ پلک جھپکتے ہی وہ آفاق کو چھو گیا۔ یہاں گھوڑے کی جگہ کا سمک ہیلی کاپٹر کر دیں جس پر دو سیٹیں بنی تھیں۔ جناب جبریل امین علیہ السلام نے حضور گرامی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کو بٹھایا اور ایک اشارہ کیا اور پھر اچانک اس کا فیول نکلا اور وہ روشنی کی رفتار سے نکلتا ہوا آفاق کی حدوں سے بھی آگے نکل گیا۔ اس زمانہ میں وہ محاورہ آگے نہیں بڑھ سکتا' یعنی علوم جدیدہ کا حامل ہوتے ہوئے ہمیں مفاہیم کی تفہیم کے لیے تعبیر کرنا ہو گی۔ آج سے تقریباً ایک سال قبل میں نے ایک حدیث کا تذکرہ کیا کہ اس کی رو سے بہت جلد جینٹک انجینئر انسان کی کاپی بنا لیں گے۔ تو ہر ایک نے کہا کب؟ میں نے کہا کہ سال دو سال میں بنا لیں گے مگر صرف تین ماہ ہی گزرے تھے کہ کلوننگ آ گئی۔ پھر پوچھا گیا کہ وہ حدیث کون سی تھی' جس سے میں نے یہ اخذ کیا؟ میں نے اسے اس حدیث سے پری گیس کیا کہ حضور گرامی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا' دجال کے پاس ایک شخص آئے گا اور اسے کہے گا کیا تو میرا بھائی زندہ کر سکتا ہے۔ دجال کہے گا ہاں کر سکتا ہوں اور وہ اس کا بھائی زندہ کر دے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے پوچھا یارسول اللہ! کیا یہ وہی شخص ہوگا؟ فرمایا نہیں بلکہ اس کی مثال ہوگا۔ خدا کا شکر ہے کہ جس لیکچر میں یہ بات بیان کی اس پر تاریخ لکھی ورنہ دانشور کہتے کہ سائنس کی دریافت ہو چکی اور پروفیسر صاحب اب بیان کر رہے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی ایک اور حدیث ہے اگر یہ دور' یہ زمانہ اسی طرح چلتا رہا تو وہ بھی ضرور پوری ہو گی کہ انسان مردہ ہونے سے قبل تین مرتبہ موت سے دوچار ہوگا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا' دجال کے پاس ایک شخص جائے گا اور کہے گا کہ کیا تو مجھے مار کر زندہ کر سکتا ہے؟ دجال کہے گا ہاں! اسے مارے گا پھر زندہ کرے گا' پھر اسے مارے گا پھر زندہ کرے گا پھر مارے گا پھر زندہ کرے گا مگر چوتھی مرتبہ ایسا نہیں کر سکے گا۔ یہ حدیث بالکل واضح طور پر اس طرف اشارہ کر رہی ہے کہ طب اور جینیٹک انجینئرنگ تین مرتبہ مردہ شخص کو زندہ کرنے کی اہلیت حاصل کر لیں گے' مگر چوتھی مرتبہ وہ ایسا کرنے سے قاصر ہوں گے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کی یہ عمر جسے ہم آج ۴۵' ۵۰ سال تک ہی محدود سمجھتے ہیں یہ ہماری اپنی فہم کی وجہ سے اتنی محدود ہے نہ کہ مقدرات کی وجہ سے۔ جب ہم اس درجہ تک اپنی تحقیق و جستجو کے ذریعے پہنچ جائیں جہاں یہ مدت بڑھے تو یہ حد بدل جائے گی۔ جیسے قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو خطاب کر کے فرمایا کہ اگر تم ہزار سال تک جیو تو کیا پھر مرو گے نہیں؟ گویا کم از کم انسانی زندگی کا Span ایک ہزار سال کا ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص تھوڑا سا علم قرآن رکھتا ہو تو قرآن کو پڑھنے کے بعد وہ بہ آسانی محسوس کر لیتا ہے کہ قرآن بہت آگے کی بات کرتا ہے اور انسانی ترقی کو بہت پہلے سے Visualise کرتا ہے' جس طرح فرمایا کہ اے حضرت انسان! میں نے سات آسمان اور ایسی ہی سات زمینیں بنائیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ ان تمام افلاک و زمینوں کے درمیان میرا حکم بھی اترتا ہے:

اللّٰہ الذی خلق سبع سموت و من الارض مثلھن یتنزل الامر بینھن لتعلموا ان اللّٰہ علے کل شیءٍ قدیر' وان اللّٰہ قد احاط بکل شیءٍ علماO (۱۲:۶۵)

ترجمہ: اللہ وہی ہے جس نے ساتوں آسمان اور اتنی ہی زمینیں پیدا کیں۔ ان کے درمیان اس کا امر اترتا ہے تاکہ تم جان لو کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ بے

شک اللہ نے اپنے علم سے ہر شے کا احاطہ کر رکھا ہے۔

اور امر قرآن کو کہا گیا ہے کہ ان تمام زمینوں پر میرا حکم اترتا ہے تاکہ تم جان لو کہ ہم کتنی بڑی قدرت والے ہیں۔ آیندہ آنے والے زمانوں میں چاہے Nasa ہو یا Huble وہ یقیناً دور کے Glaxial Order میں وہ Life Belts ضرور دریافت کر لیں گے جو اللہ کی اس قرآنی آیت کی تصدیق کریں گے۔ قرآن حکیم ہمیں بتاتا ہے اور حدیث مسلم میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اس زمین کے لوگوں کا حساب ہو چکا ہوگا تو پھر بھی جنت میں جگہ خالی رہ جائے گی۔ پھر اللہ نئے لوگ پیدا کرے گا اور انہیں پھر آزمائشوں سے گزارے گا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ زمین پہلی زمین نہیں ہے اور نہ ہی یہ آخری زمین ہے۔ یہ ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے' جو پروردگار کے ساتھ جاری ہے اور تخلیق کا لامتناہی پراسس ہے' مگر ہمارا تصور خدا بہت ہی محدود ہے' جس طرح ایک چھوٹی مچھلی بڑی مچھلی کو خدا سمجھتی ہے۔ جب ہم بلیک ہول کے تصور سے نکل کر پھیلی ہوئی کہکشاں کو دیکھتے ہیں جو اب دریافت ہوئی ہیں اور ہم سے کئی بلین نوری سال کے فاصلے پر ہیں' مگر حقیقت یہ ہے کہ انسان کا یہ طریق جستجو بہت ہی تھکا دینے والا ہے۔ اس کے پاس اتنی عمر اور زندگی نہیں کہ وہ اس مقصد شناخت کی تکمیل کر سکے گا۔ اس پر انسان پر ایک ڈیپریشن اور اداسی چھا جاتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار تو نے مجھے Glaxial Order کی عمر دی ہوتی کہ اتنی لمبی عمر میں' میں سوچتا اور ستاروں' آسمان اور فلکیات کے اس دور سے گزرتا ہوا اشراق صدی تک پہنچ جاتا۔ میں اس طاق تک جھانک لیتا جہاں تو بیٹھتا ہے۔ یہ تو ممکن نہیں تو پھر میں تجھے کہاں ڈھونڈوں؟ اور کس طرح تلاش کروں؟ مگر اس مایوسی کا علاج موجود ہے کہ خدا کی تلاش کا ایک آسان راستہ بھی ہے' جس کی رفتار بہت زیادہ ہے۔ دنیا کا تیز ترین پیغام وہ ہے جو Biokinetics میں گزرتا ہے۔ اس کو زمین پر کچھ پھول مریخ پر موجود پھولوں کو پیغام ارسال کریں تو وہ کمال تیزی کے ساتھ پہنچ جائے گا۔ ایک بات جس کا میں ہمیشہ قائل رہا ہوں یہ ہے کہ سائنس اس چیز کو سائنس کہتی ہے جس کے اصولوں کو اپنے احاطہ میں لے لیتی ہے۔ سائنس اس چیز کو سائنس نہیں کہتی' جس کا کوئی واضح اصول مرتب نہ کر سکے۔ میرا یہ یقین ہے اور امید ہے کہ میرے کچھ پڑھے لکھے دوست اس پر کام کریں گے کہ جذبات' احساسات اور خیالات بھی ایک Scientific Pattern رکھتے ہیں۔ یہ بھی مکمل سائنسز ہیں' مگر مصیبت یہ ہے کہ ابھی

تک حضرت انسان نے اسے سائنس نہیں کہا' کیونکہ اس کے لیے کوئی واضح اور مصدقہ اصول مرتب نہیں ہوئے۔ صوفیا ہی وہ طبقہ ہے جو اس اصول پر عمل پیرا ہیں۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اللہ کہیں سماتا ہے؟ تو فرمایا کہ اللہ دوعالم میں کہیں نہیں سماتا مگر قلب مومن میں! گویا ہمیں کچھ ایسے Instrumentsدیئے گئے ہیں جو خدا کا ادراک و تحصیل کر سکتے ہیں۔ جہاں اللہ کے قرب کی سعادت ممکن ہے جو شناخت پروردگار کا اہل ہے۔ اگر انسان اس کا اہل نہ ہوتا تو قبر میں ہر انسان سے یہ سوال کیوں کیا جاتا؟ من ربك ؟ کیا کسی ان پڑھ کا یہ حق نہیں کہ وہ اللہ سے کہے کہ تو نے تو مجھے تعلیم ہی نہیں دی میں تو بالکل ان پڑھ ہوں۔ میں تمہیں کس طرح جواب دوں؟ کہ میرا رب کون تھا۔ خدا نا انصاف نہیں ہے۔ اس نے انسان کو کوئی دوسری صلاحیت بخشی ہو یا نہ' ایک صلاحیت ہر انسان کو بخشی ہے کہ وہ خدا کو پہچان سکتا ہے۔ سوائے دو انسان کے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو انسانوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے۔ وہ جو سویا ہوا ہے اور مجنوں' باقی تمام انسانوں میں صلاحیت شناخت پروردگار موجود ہے۔

مگر جمال پروردگار ان آنکھوں سے نہ دیکھا جا سکے گا۔ میں کل ویلڈنگ میں آکسیجن کا شعلہ دیکھ رہا تھا اور اسے نہ دیکھ سکا۔ تو میرے دل میں خیال آیا کہ حضرت انسان کی تعلّی بہت بڑی ہے۔ یہ کائنات کے ستر ہزار حجابات نوری و ناری والے پروردگار کو بے حجاب دیکھنا چاہتا ہے اور حال یہ ہے کہ آکسیجن کے نیلے شعلے پر نظر نہیں ٹکا سکتا' مگر کیا ہوا نظر آتی ہے؟ کیا اس کا چھونا محسوس نہیں ہوتا؟ کیا جب یہ ٹھنڈی اور نرم ہوتی ہے تو اسے نسیم سحر نہیں کہتے؟ کیا جب وہ دوپہر کو سخت چلے تو اسے باد سموم نہیں کہتے۔ کیا شام کو ساحلوں پر چلنے والی کو Breezeنہیں کہتے۔ کیا آندھی اور تاریکیوں میں اٹھتے ہوئے طوفان کو ہم نہیں پہچانتے۔ ہم ہوا کا ہر رنگ پہچانتے ہیں۔ خدا نظر آئے یا نہ آئے ہم اللہ کا ہر رنگ پہچانتے ہیں۔ وہ ہمارے قریب سے گزرتا ہے۔ ہم اس کی سرسراہٹ محسوس کرتے ہیں۔ ہم اس کا یقین اپنے دل میں پاتے ہیں۔ اس کی محبت کا سرور ہماری نگاہوں میں چھلکتا ہے۔ وہ ہر لمحے میں اپنے وجود کا احساس دیتا ہے۔ اپنی موجودگی کا تعین دیتا ہے' مگر ان لوگوں سے وہ زیادہ ڈیمانڈ نہیں کرتا۔ زیادہ متقی نہیں ڈھونڈتا۔ وہ تو کہتا ہے کہ:

فلاتزکوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقیٰ (۳۲:۵۳)

ترجمہ: پس تم اپنی صفائی و تزکیہ خود نہ بیان کرو۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ تم سے کون زیادہ متقی ہے۔

میرے سامنے تم دعویٰ لے کر نہ آنا۔ مت کہو کہ تم پاک ہو' تم مقدس ہو' میں تمہیں اس دن سے جانتا ہوں جب ہم نے تمہیں دامن زمین میں رکھا تھا اور اس وقت سے بھی جانتا ہوں جب میں نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں رکھا تھا۔ دونوں ہی آغاز غلیظ ہیں۔ جب برستی ہوئی آگ اور برسات تھم گئی' پانچ ہزار ڈگری سینٹی گریڈ کا فشار کرسٹ پر سے ختم ہوا اور زمین پر ایک ارب سال تک بارشیں برسیں اور کیچڑ ہوا پانی سوکھا اور اوپر کی سطح سیاہ ہو گئی:

انا خلقنھم من طین لازب (۳۷:۱۱)

ترجمہ: بے شک ہم نے تمہیں چپکتی ہوئی سیاہ مٹی سے پیدا کیا۔

کھنکھناتے ہوئے خشک گارے کی مٹی کے نیچے سیاہ گلا سڑا لیس دار طین لازب پیدا ہوا اور پروردگار نے اس کی نشاندہی کی کہ تم اپنے تقدس کی بات کرتے ہو حالانکہ تم تو کسی شمار میں نہ تھے۔ تمہیں تو ابھی تک انسان بھی نہ کہا گیا تھا۔ آدم تو بڑے دور کی بات ہے۔ اے حضرت انسان آدم علیہ السلام تو بہت بعد کا تذکرہ ہے۔ تو تو ایک ایسے زمانے سے گزرا ہے جب تو کوئی قابل تذکرہ شے بھی نہ تھا:

ھل اتی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیاء مذکورا (۷۶:۱)

ترجمہ: انسان پر ایک ایسا وقت بھی گزرا جب وہ کوئی قابل تذکرہ شے نہ تھا۔

یعنی کسی پرانے سمندر کے کنارے جما ہوا کائی کا ٹکڑا۔ سائنس دان کہتے ہیں کہ ایک طویل عرصے تک حیات و موت کی جنگ ہوئی۔ پھر نسل انسان نے ایک سودا کیا کہ اے پروردگار میں کہ حقیر کائی کی صورت پڑا ہوں۔ موت قبول کرتا ہوں تو مجھے زندگی عطا کر دے۔ اس طرح موت و حیات کی کشمکش کا آغاز ہوا۔ آج جو کچھ آپ کا وجود ہے یہ ایک واحد Cell سے پیدا ہوا جسے Amoeba Proteus کہتے ہیں جو دو نہیں ہے بلکہ ایک ہی مرکز سے تقسیم ہوتا ہے۔ پھر دوسری منزل آئی:

انا خلقنا الانسان من نطفۃ امشاج نبتلیہ فجعلنہ سمیعا بصیرا (۷۶:۲)

ترجمہ: بے شک ہم نے انسان کو مخلوط (دھرے) نطفے سے پیدا کیا کہ اسے آزمائیں' پس ہم نے اسے سنتا دیکھتا بنایا۔

اب اس مرحلے پر نطفہ مخلوط کر دیا گیا۔ نیو کلیس کے Male اور Female ہونے کو Define کر دیا گیا۔ اس مرحلے پر لاکھوں سال گزر گئے۔ پھر اللہ نے چاہا کہ اسے پراگریس دے کہ اسے جانچا اور پرکھا جائے تو اسے دو سسٹم یعنی سماعت اور بصارت دیئے گئے۔ آج کوئی بھی سائنسی تحقیق اس کے خلاف نہیں جاتی۔ اکبر الٰہ آبادی نے جب جدید سائنسی تحقیقات کو دیکھا تو گھبرا گئے۔ انہوں نے کہا کہ دین و مذہب میں کوئی ایسی صورت نہیں کہ اسے قبول کیا جائے۔ سو انہوں نے طنزیہ انداز اختیار کیا' حالانکہ ڈارون نے تحقیق اور جستجو کے بعد دس سال کی محنت شاقہ سے صرف یہ بتایا کہ دنیا کا کوئی ذی حیات بغیر خاندان کے نہیں ہے۔ اس نے بتایا کہ تمام ذی حیات مختلف فائلمز پر مشتمل ہیں اور پھر ان کے سب فائلم اور فیملی ہیں۔ Genesis ہیں۔ یعنی اس نے اشیائے زندگی کے خاندانوں کی نشاندہی کی۔ ذرا دیکھئے کہ قرآن کیا کہتا ہے:

وما من دابة في الارض ولا طٰر يطير بجنا حيه الاامم امثالكم (۶:۳۸)

ترجمہ: اور زمین پر کوئی چلنے والا جانور اور اپنے پروں سے اڑنے والا پرندہ نہیں' مگر یہ سب تمہاری طرح کے (مخلوق کے) گروہ ہیں۔

کہ تمام مخلوق تمہاری طرح کی امتیں ہیں۔ یعنی ۱۵ سو سال قبل قرآن نے حیات کی اس Category کی نشاندہی کر دی۔ ڈارون نے اس کی تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ Homoerectus انسان نے زندگی میں بڑے ادوار گزارے ہیں وہ کبھی سماعت سے محروم تھا' کبھی بصارت سے محروم تھا' کبھی ڈبل سیل کی شکل میں تھا' کبھی واحد خلیہ کی شکل میں تھا۔ جب وہ Homoerectus بن گیا۔ تو اسی وقت وہ قتل غارت گری میں پڑ گیا۔ پروردگار کا حکم آیا کہ ہم نے اسے زمین پر عقل و معرفت کا نمونہ حکمت بنایا ہے۔ اسے خلیفۃ اللہ بنایا ہے تو وہ فرشتے جو اس تمام Progress of Homoerectus کو دیکھ رہے تھے عرض کرنے لگے:

قالوا اتجعل فيها من يفسد فيها ويسفك الدمآء (۲:۳۰)

ترجمہ: فرشتے کہنے لگے 'اے اللہ کیا تو اسے خلیفہ بنائے گا جو زمین پر فساد کرتا ہے اور خون بہاتا ہے۔

یعنی اس کو تو ہم صبح و شام قتل و غارت کرتے دیکھ رہے ہیں۔ اے اللہ تو اسے خلیفہ بنائے گا۔

ارشاد ہوا:

قال الم اقل لکم انی اعلم غیب السموات و الارض واعلم ما تبدون وماکنتم تکتمون (۲:۳۳)

ترجمہ: (اللہ نے) فرمایا کہ میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمینوں کے غیب جانتا ہوں اور وہ کچھ جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہوئے اور وہ بھی جو تم چھپاتے ہو۔

یعنی میں جانتا ہوں اور تم نہیں جانتے۔ یہ وہ حضرت انسان تھا جو پراگریس کرتے ہوئے پہلے شناخت شدہ آدم کہلایا۔ غرضیکہ ایک نہیں بے شمار سائنسی ایجادات ہیں جو قرآنی حقائق کو Confirm کرتی ہیں اور انسان کے اندر داعیہ پیدا کرتی ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے عطا کردہ عقل و شعور کی نعمت کو اپنی ترجیح اول یعنی اللہ تعالیٰ کی شناخت کے لیے وقف کرے۔

وماعلینا الاالبلاغ المبینO